

انسان اور خارجی کائنات

(پروفیز صاحب کی ایک تقریر)

افراد ہوں یا اقوام (اقوام بالخصوص) ان کی موت و حیات کے فیصلے کے لئے ایک اہم عنصر یہ بھی ہے کہ خارجی کائنات کے متعلق ان کا زاویہ نگاہ یا رویہ عمل کیا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس نے انسان کو ہمیشہ وقفہ اضطرار رکھا ہے۔ قرآن کریم نے اسے بڑی اہمیت دی ہے اور اس کا صحیح جواب نہایت واضح اور یقینی الفاظ میں پیش کیا ہے۔

جب انسانی شعور نے پہلے پہل آنکھ کھولی تو اس نے اپنے آپ کو عجیب دنیا میں پایا۔ سر پر مسلسل آتش باری کرنے والا عظیم اور مہیب گولا۔ چاروں طرف بڑے بڑے پہاڑ۔ ادھر ادھر ساحل نا آستانہ سمندر اور اس کی خوفناک تلاطم انگیزیاں۔ یہاں وہاں کھٹ بروہاں اور سیلاب در آغوش دریاؤں کی ہلاکت سامانیاں۔ میلوں تک ڈراؤنے جنگل اور ان میں بڑے بڑے خطرناک درندے اور اڑدے۔ کبھی بادل کی لرزہ انگیز گرج۔ کبھی بجلی کی جگمگ پاش کرک۔ کبھی وحشت انگیز آندھی، کبھی ہلکا خیز جھگڑ۔ کبھی کوہ آتش فشاں کی مرگ۔ ستیاں کی یلغار۔ کبھی زلزلوں کی تباہ کاریوں کا ہجوم۔ شش جہات میں اس قسم کی خوفناک بلاؤں کا اشدھام، اور ان کے اندر گھل ہوا بے یار و مددگار اور بے سروسامان، خبتا ابن آدم۔ آپ سوچئے کہ ان حالات میں خارجی کائنات کے متعلق اس کا رویہ عمل اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ جو بلا سامنے آئے یہ گڑ گڑانا شروع کر دے۔ جہاں کوئی خطرہ دیکھا جائے یا محققا ٹیک دے۔ اس طرح فطرت کی ہر قوت اس کا انسان کا پہلا رد عمل

”والہ“ اور یہ ان قوتوں کا پرستار بن گیا۔ چاند، سورج، ستارے، گرج، کرک، بارش، آندھی، آگ، دریا، شبر، سانپ۔ حتیٰ کہ وبائی امراض تک سب دیوی اور دیوتا تصور کر لئے گئے۔ اور ان کی بارگاہ میں تدفین یا زاور منت و سماجت اور مدح و ستائش سے انہیں خوش کرنے اور راضی رکھنے کی تدابیر اختیار کی جانے لگیں۔ یہ تھا راس ماحول میں انسان کا اولیٰ رد عمل خارجی کائنات کے متعلق۔ رفتہ رفتہ اس رد عمل نے مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ اور یہ آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی عقیدہ یا تصور مذہب کی شکل اختیار کر لے، تو حالات کتنے ہی کیوں تبدیل جاتیں، اس میں تبدیلی نہیں آیا کرتی۔ چنانچہ دنیا کے بیشتر مذاہب، کائنات کے متعلق انسان کے اسی اولیٰ رد عمل کے مظاہر ہیں۔

یہ تو ہم پرستی کی دنیا تھی۔ دوسری طرف جہاں علم و بصیرت کی طرف آئیے تو وہاں (پرستی سے) انتہا ایک ایسے حادثے سے دوچار ہوئی جس نے اسے تو ہم پرستی کی جہالت سے بھی زیادہ نقصان پہنچایا۔ جہاں تک تاریخی نوشتے ہماری راہ نمائی کرتے ہیں، علم و حکمت کا ادبیں گہوارہ خطہ یونان تصور کیا جاتا اور سقراط کو وہاں کے حکماء کا ایوالا باو قرار دیا جاتا۔ سقراط کا نظریہ یہ تھا کہ مطلق افلاطونی نظریہ کے قابل صرف انسان ہے۔ خارجی کائنات نہیں۔ افلاطون، جو سقراط کا شاگرد لیکن خود ایک اگاب مکتب فکر کا امام ہے، اس سے بھی دو قدم آگے بڑھا۔ اس نے کہا کہ یہ دنیا محسوسات (خارجی کائنات) درحقیقت اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ حقیقی دنیا عالم امثال (WORLD OF IDEAS) کی ہے جو کہیں، آسوشے افلاک، واقع ہے اور یہ مرنی کائنات اُس دنیا کا عکس ہے۔ اس نظریہ سے جو منطقی نتیجہ مرتب ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے یعنی حجت عالم محسوسات، درحقیقت اپنا وجود نہیں رکھتا بلکہ محض فریب اور سراپ ہے (بلکہ عالم خواب) تو اس کے متعلق جو علم انسانی حواس (SENSES) کے ذریعے حاصل ہوگا وہ بھی کچھ حقیقت نہیں رکھے گا۔ حقیقی علم وہی ہوگا جو انسان کو۔ چشم بند و گوش بند و لب بہ بند کے بعد۔ اپنی داخلی دنیا میں جذب ہو جانے سے حاصل ہو۔ یہی علم قابل اعتماد اور یقینی ہوگا۔ محسوسات کا علم (PERCEPTUAL KNOWLEDGE) قطعاً قابل اعتماد نہیں ہوگا۔

یہ تھا کائنات اور علم محسوسات کے متعلق افلاطون کا وہ نظریہ جس پر یونانی تصوف کی عمارت استوار ہوئی۔ یہ تصوف وہاں سے نکل کر ساری دنیا کو متاثر کر گیا۔ اس نے ہندوستان میں پہنچ کر ویدانت کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ اس (ہندو) فلسفہ کی رو سے، پر اکرتی (مادی دنیا) مایا (فریب) ہے۔ کائنات برہما (خدا) کا خواب ہے۔ جس دن اس کی آنکھ کھل گئی یہ خواب معدوم ہو جائے گا۔ یہ عظیم کار گہر کائنات، ایشور کی لیل (نہلک کا کھیل) ہے جس میں کوئی شے اپنے حقیقی رنگ میں سامنے نہیں آتی۔ بلکہ حقیقت کی تمثیل ہوتی ہے۔ یہی فلسفہ ہے جو ایرانی معجزوں کے "مضوں" شراب معرفت بن کر چھلکا اور عیسائیت کی خانقاہوں کو کیت آلود کر گیا۔ اسی فلسفہ کا نتیجہ تھا کہ کائنات کو باطل قرار دے دیا گیا اور دنیا ایک قابل نفرت شے تصور کر لی گئی جس سے دور بھاگنے میں ہی انسانی نجات کا راز پوشیدہ سمجھا گیا۔

یہ تھا کائنات کے متعلق ذہن انسانی کا ردِ عمل اُس زمانے میں جب قرآن نازل ہوا۔ ایسی دنیا کے مذاہب، کائناتی قوتوں کو معبود بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز تھے اور عالم فکرو حائیت کائنات کو باطل قرار دے کر اس سے نفرت میں "روحانی ترقی" کا راز پارہ تھا۔ (اس میں شبہ نہیں کہ قرآن سے پہلے بعض قرآن ایسے ملتے ہیں جن میں کائنات کی صحیح پوزیشن بھی سامنے آ جاتی ہے۔ یہ وحی پر مبنی تعلیم کا اثر تھا، جو مختلف انبیائے کرام کی وساطت سے وقتاً فوقتاً آتی رہی، لیکن چونکہ نزول قرآن کے وقت وحی کی

بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم نے کائنات کے متعلق غلط زاویہ نگاہ کو کفر اور اس کے برعکس صحیح زاویہ نگاہ کو ایمان قرار دے کر اس سوال کو کتنی اہمیت دی ہے؟ جو شخص کائنات کو باطل قرار دے، وہ قرآن کی رو سے مومن نہیں، کافر ہے۔ خدا نے کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا، خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ط۔ اس نے کائنات کو بالحق پیدا کیا، اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۹) اس میں ایمان والوں کے لئے (بہت بڑی) فحشانی ہے۔ کائنات کو ایشور کی بیلا قرار دینے والوں سے اس نے کہا کہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَٰعِبِيْنَ ۝ (۲۴) ہم نے کائنات کی پستیوں اور بلندوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یونہی کھیلنے پر پیدا نہیں کیا، مَا خَلَقْنَاهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِيْنَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۲۴) ہم نے انہیں بالحق پیدا کیا ہے۔ یہ خیال کہ کائنات یونہی بطور کھیل تماشہ پیدا کر دی گئی ہے، ان لوگوں کا وہم ہے جو علم و حقیقت سے بے خبر ہیں۔

یہ کھیل تماشہ نہیں

کائنات کے متعلق زاویہ نگاہ میں اس قدر تحیر انگیز انقلاب پیدا کرنے کے بعد ضروری تھا کہ علم بالحواس (SENSE PERCEPTIONS) کے متعلق بھی انسانی نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کہا کہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط۔ (۲۴) جس بات کا تمہیں علم نہ ہو، اس کے پیچھے مت لگا کر۔ یاد رکھو! اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ (۲۴) تمہارے سمع اور بصر اور فؤاد، سب یہ پوچھا جائے گا کیا تم نے اس بات کے صحیح ہونے کی شہادت دی تھی جسے صحیح سمجھا گیا تھا یا یہ آیت بڑی غور طلب ہے۔ اس میں علم اسے کہا گیا ہے جس کی شہادت سمع و بصر و فؤاد دیں۔ "سمع و بصر انسانی علم کی تعریف" حواس (SENSE) ہیں جن کا کام یہ ہے کہ وہ خارجی کائنات کے متعلق معلومات فراہم کر کے فؤاد (MIND) تک پہنچادیں۔ اور پھر فؤاد (MIND) ان سے استنباط نتائج کر لے۔ علم کی اس تعریف (DEFINITION) میں علم بالحواس (PERCEPTUAL KNOWLEDGE) اور فکری و تصوراتی علم (CONCEPTUAL KNOWLEDGE) دونوں آجاتے ہیں۔ قرآن کے نزدیک "سمع و بصر" قلب کی اہمیت کس قدر ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جو لوگ ان سے کام نہیں لیتے وہ انسانی سطح پر نہیں، حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں اور

سمع و بصر سے کام نہ لینے والے جہنمی ہیں

کَثِيْرًا مِّنْ اٰلِیْنِ ذٰلِیْنِ ۝ (۲۴) شہری اور صحرائی آبادیوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اس قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں جو انہیں سیدھی جہنم کی طرف لے جاتی ہے یعنی لَٰی يَفْقَهُوْنَ يَهْتَفُوْنَ لَهَا وَ لَهَاۤ اَعْيُنٌ لَاۤ يُبْصِرُوْنَ يَهْتَفُوْنَ لَهَاۤ اَذَانٌ لَاۤ يَسْمَعُوْنَ يَهْتَفُوْنَ اِنَّ كِیْ مَالَتْ یٰۤہے کہ وہ سینے میں دل رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان رکھتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنۡعَامِ بَلٰۤیْ اَمۡثَلُ ۝ یہ انسان نہیں حیوان ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (۲۴) اس لئے کہ یہ لوگ حقائق کائنات سے بے خبر ہیں۔

ان کے برعکس وہ ایک اور گروہ کا ذکر کرتا ہے جن کے متعلق کہتا ہے کہ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰتِیَاتِ
الْحَدِیْثِ وَالْاٰیٰتِ الْاُولٰٓئِیْ لَا لُبَّ اَبْصٰرٍ (۲۸/۳) یعنی کائنات کی بندوبست اور رات دن کی گردش میں صاحبان عقل
شعور کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اُن ارباب دانش
بنیشت کے لئے جن کی کیفیت یہ ہے کہ اَللّٰہُ یُنَزِّلُ الْکُوْنُ مِنَ اللّٰہِ

کائنات میں غور و فکر کرنے والے

قَبَیْمًا وَقَعُوْا اَوْ عَلٰی جُنُوْبِھُمْ (۳۱/۱) جو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے ہر وقت قانون خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں
وَبَیِّنَّا فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰتِیَاتِ الْحَدِیْثِ اور تخلیق ارض و سما میں انتہائی غور و فکر کرتے ہیں اور اپنے مسلسل
تجربات اور سیم مشاہدات کے بعد عمل و وجہ البصیرت اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا اَبَاطِلًا (۳۱/۲)
اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے اس عظیم سلسلہ کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا۔ سُبْحٰنَكَ یٰہَیْجَہَ سے
بہت بعید تھا کہ تیرا تخلیقی پروگرام بلا مقصد ہوتا۔ تیرے متعلق ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ محض ہماری کوتاہ
عقلی اور بصیرت (تحقیق) کی کمی ہے جو ہم کائنات کی بہت سی چیزوں کے نفع بخش پہلوؤں سے بے خبر رہتے ہیں،
اور اس لئے ان کی زہر پاشیوں سے جھپٹتے اور تڑپتے رہتے ہیں۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ تو ہمیں ایسی توفیق عطا فرما
کہ ہم عدم علم کی بنا پر اشیائے کائنات کے تخریبی پہلو سے محفوظ رہیں، فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۳۱/۳) اس لئے کہ جو
تو میں اشیائے فطرت کے متعلق تحقیقات نہیں کرتیں اور اس لئے ان کے نفع بخش پہلوؤں سے بے خبر رہتی ہیں وہ
دنیا میں ذلت اور رسوائی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ رَبَّنَا اِنَّكَ مِّنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اُخْرِیْتَهُ (۳۱/۴) اور ایسی
قوم کا دنیا میں کوئی یار و مددگار نہیں ہوتا۔ (وَمَا یُلَظُّا لِرَبِّیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۵)

یہی مومن و متقی ہیں

اس مقام پر ان لوگوں کو جو اشیائے کائنات کے متعلق تحقیق و تدقیق کے
بعد معجز فطرت کی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ قرآن نے "صاحبان عقل و بصیرت
کہا ہے۔ دوسرے مقام پر انہیں "مومنین" سے تعبیر کیا ہے جہاں کہا ہے کہ اِنَّ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ
لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۲۴/۳) یعنی کائنات کی پستیوں اور بندوبست میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہی وہ لوگ
ہیں جو خدا اور اس کے قوانین کے متعلق جتنی یقین رکھتے ہیں۔ وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَاٰیٰتِھِمْ وَاٰیٰتِ
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (۲۴/۴) اور تمہاری پیدائش میں اور دیگر جانداروں کی انزالِ نسل میں ان لوگوں
کے لئے نشانیاں ہیں جو (کائنات کے بالحق ہونے پر) یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ صاحبان عقل و بصیرت ہیں۔
وَ اٰخِیْرَ اٰیٰتِیْ وَالْاٰیٰتِیْ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِزْقٍ فَاَحْبَابُہُمُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِھَا وَتَقْرِیْہُ
الرِّیْعَ اِنَّتَ لَقَوْمٌ یَّعْقِلُوْنَ (۲۵/۲) اور دن رات کی گردش میں۔ اور بارش میں جسے خدا بادلوں سے برساتا
ہے اور اس سے زمین مژدہ کو حیات تازہ عطا کرتا ہے اور ہواؤں کے رنج کی تبدیلی میں، ارباب عقل و فکر
کے لئے نشانیاں ہیں۔

کائنات پر غور و فکر کی اس قدر تاکید کے بعد کہا گیا کہ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰہِ تَتْلُوْہَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ۚ یٰہَیْجَہَ
اللّٰہُ کہ وہ آیتیں ہیں جنہیں خدا حق کے ساتھ تیرے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ لوگ جو اس کے بعد بھی حق پر ایمان
نہیں لاتے ان سے پرچھو کہ فَبَآئِیْ حَدِیْثٍ تَعْبُدُ اللّٰہَ وَ اٰیٰتِہِ یُؤْمِنُوْنَ (۲۵/۳) یہ لوگ اللہ اور اس

کہ اس قسم کی آیات کے بعد اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

انہی سے ایمان حاصل ہوتا ہے | آپ نے غور کیا کہ قرآن نے اس مقام پر کتنی عظیم حقیقت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا پر ایمان لانے کے دو گوشے ہیں۔ ایک

اشیائے فطرت پر غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچنا کہ کائنات کے نظام کو ایک حکیم و خبیر مستی اپنے حکم، اہل اور تعمیری قوانین کی روش سے چلا رہا ہے۔ دوسرے قرآنی تعلیم میں تدبیر و تفکر جس نے اس زمانے میں انسان کے لئے تسخیر کائنات کا اعلان کیا، جب ساری دنیا یا تو کائناتی قوتوں کو معبود بنا لئے ہوئے تھی اور یا اسے غرر فطر اور قابل نفرت سمجھ کر اس سے دور بھاگتی تھی۔ ایسے ماحول میں اس قسم کی انقلاب آفریں آواز بلند کرنا کسی انسانی ذہن کا کام نہیں تھا۔ اس آواز کا سرچشمہ یقیناً وہی خدا ہے عظیم و بصیر ہو سکتا تھا جو انسان اور کائنات دونوں کے صحیح مقامات سے باخبر ہو۔ لہذا اگر کوئی شخص مطالعہ فطرت اور قرآن میں غور و تدبیر کے بعد بھی خدا پر ایمان نہیں لاتا تو پھر کوئی چیز باقی نہیں رہتی جس سے وہ خدا پر ایمان لاسکے۔

ایمان وہ تصورات و حیات ہے جو انسانی زندگی کا نصب العین متعین کرتا ہے۔ اس کے بعد تقویٰ آتا ہے۔ تقویٰ کے متعلق یوں سمجھئے کہ یہ وہ مسلک اور منہاج ہے جس کے مطابق مومن اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ مومنین کے لئے خارجی کائنات کے شواہد و مظاہر پر غور و فکر کس قدر ضروری ہے اس کے متعلق ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن کہتا ہے کہ یہ غور و فکر متقیوں کے لئے بھی ویسا ہی ضروری ہے۔ سورہ یونس میں ہے۔ اِنَّ فِيْ اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ (۲۰) یقیناً اختلاف لیل و نہار اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا کیا ہے، ان میں تقویٰ قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔

ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ قرآن نے ”سموات و الارض“ پر غور و فکر کرنے کی تاکید کی ہے۔ سموات (اجرام فلکی) پر غور و فکر کا ایک شعبہ تر وہ ہے جسے علم الافلاک (ASTRONOMY) کہتے ہیں۔ (اس کا موضوع سر درست بے جان کتوں کے متعلق تحقیق و تدقیق ہے) لیکن قرآن اس سے بھی آگے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین میں ہی نہیں، بلکہ اجرام فلکی میں بھی ذی حیات مخلوق ہے اور اس کے متعلق غور و فکر کرنا بھی ضروری ہے۔ سورہ شوریٰ میں ہے۔ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا یَوْمَ

دَآرِ اٰلِ اٰیٰتٍ ط (۲۳) اور اس کی نشانیاں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض و سموات کو پیدا کیا اور ان دونوں میں ذی حیات مخلوق کو بھی پیدا کیا۔ غور فرمائیے کہ آسمان کرّوں میں زندہ مخلوق کی نشاندہی بھی سب سے پہلے قرآن ہی نے کی کرائی ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے جو کچھ کہا ہے اس سے خود عقل و حیرت اور علم شدد و حیران رہ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وَهُوَ عَلٰی جَمِیْعِہٖمۡ اِذَا اٰیَسَّاءُ قَدِیْرٌ (۲۴) وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ان کرّوں اور ان کی آبادیوں میں ملاپ پیدا کر دے!۔۔۔ کرّوں (زمین اور چاند) میں ربط و اختلاط پیدا ہو چکا ہے۔ اس کے ذمے کیا کچھ ظہور میں آتا ہے۔ سوچیے

کہ کیا آج سے چودہ سو سال پہلے ایسی بات کس انسان کے حیطہ تصور میں بھی آ سکتی تھی (اضافہ سنہ ۱۹۸۰ء)
قرآن کی روش سے علم کی تعریف (DEFINITION) کیا ہے یہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ یعنی علم وہ ہے

جس کی شہادت انسان کے حواس میں اور جس کی تائید اس کا قلب (MIND) کرے۔ اب یہ دیکھئے
کہ قرآن کے نزدیک عالم کون ہے؟ قرآن کریم میں علماء کا لفظ دو جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ
سورہ شعراء میں (۲۶/۲۸) اَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمُ الْآيَاتُ أَنْ يَعْلَمُوا

عالم کی تعریف

عَلَمُوا اِسْمُ اَيْمِل ۵۷ یہاں علمائے بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ اور دوسری جگہ سورہ فاطر
میں، جہاں خدا کے بندوں میں سے علماء کا ذکر ہے۔ اس تذکرہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ
اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَسَرَ حَتّٰى اَبَاقَ شَجَرَاتٍ مُّخْتَلِفٍ اَلْوَانُهَا (۲۵/۴۵)
”کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ کا قانون کس طرح بادلوں سے سینہ برساتا ہے اور اس سے انواع و
اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ وَمِنْ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا
وَعَمْرٌ اَبْيَضٌ سَوْدٌ (۲۵/۴۶) اور پہاڑوں میں کس کس انداز کے سرخ و سفید طبقات ہیں جن کے
رنگ اور اقسام مختلف ہیں۔ اور ان میں بعض گہرے سیاہ رنگ کے ہیں۔ وَمِنْ النَّاسِ
وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ اَوْسَدُ اَسْوَدٌ اَوْ اَبْيَضُ اَوْ اَسْوَدُ اَوْ اَبْيَضُ
جانداروں اور مویشیوں کے بھی مختلف اقسام ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ ان آیات میں کون کون سے امور کا ذکر ہوا ہے؟ کائنات کے مختلف گوشوں
کا بساط فطرت کے متنوع شعبوں کا۔ سائنس کے مختلف علوم کا۔ جن میں طبیعیات (PHYSICS)
نباتات (BOTANY) حیوانات (ZOOLOGY) طبقات الارض (GEOLOGY)
فضائیات (METEOROLOGY) اور عالم انسانیت کے تمام شعبے آجاتے ہیں۔ ان
علوم و فنون کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ حقیقت
یہ ہے کہ اس کے بندوں میں سے ”علماء“ ہی وہ ہیں جن کے دل پر اس کی عظمت و ہیبت چھا
جاتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ عَلِيمٌ (۲۵/۴۷) کیونکہ وہ علی و جہ البصیرت اس حقیقت کا مشاہدہ
کر رہے ہیں کہ خدا کتنی بڑی قوتوں کا مالک ہے اور کس طرح اس عظیم کارگاہ کائنات کو ہر قسم کی تخریب
سے محفوظ رکھ کر، اس کی منزل مقصود کی طرف لے جا رہا ہے۔

سورہ الروم میں ایک جگہ علماء کے بجائے عالموں آیا ہے۔ لیکن موضوع وہی ہے۔ فرمایا۔ وَمِنْ
اٰیَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَخْلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط اور تخلیق
ارض و سما، اور اختلاف السنہ و الوالہ (زبانوں اور نسلوں کے رنگوں کے اختلاف) کا شمار بھی
آیات خداوندی میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہے۔ وَاِنَّا فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ (۲۱/۲۱)
میں بھی عالموں کے لئے نشانیاں ہیں۔

دیکھئے! یہاں بھی عالموں سے مراد سائنسدان ہیں۔ سورہ عنکبوت میں پہلے توحید باری تعالیٰ کو

مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہے۔ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۹) خدا نے ارض و سما کی تخلیق بالحق کی ہے۔ اس حقیقت میں مؤمنین کے لئے آیات (نشانیاں) ہیں۔

آپ نے غور کیا کہ قرآن نے علماء یا عالم کا لفظ لیکن لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے؛ ان کے لئے جنہیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں سائنٹسٹ یا کائنات مفکر کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ بھی کہا ہے کہ جس طرح خدا کی عظمت و عظمت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خارجی کائناتی مظاہر پر غور کریں، خود قرآن کے حقیقت ثابتہ ہونے کا یقین بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خارجی کائنات اور دنیا کے انسانیت میں غور و فکر کریں۔

انفس و آفاق میں آیات | اس کا ارشاد ہے۔ سَتَرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَّبِعُوْهُ اَنۡزَلَهُ الْخُتُّ ط (۳۱) ہم انہیں اپنی نشانیاں عالم آفاق اور عالم انفس میں دکھائیں گے۔ تا آنکہ یہ بات اُبھر کر ان کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقعہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ یعنی جوں جوں کا کل زمانہ کے ایچ و خم میں لپٹے ہوئے حقائق، مشاطگی، علم و تحقیق سے کھلتے جاتے ہیں گے، قرآن کے دعائی کی صداقت کے ثبوت ایک ایک کر کے سامنے آتے جاتے ہیں گے۔ یہ اس لئے کہ اَنۡزَلَهُ الْخُتُّ ط (۳۱) قرآن، اس خدا کی کتاب ہے جس کی نگاہوں سے کوئی راز مستور نہیں۔ اس کے سامنے کائنات کی ہر شے بے نقاب دکھی ہے اور یہ چیز اس امر کی کافی دلیل ہے کہ حقائق کائنات کے متعلق جو کچھ خدا کہے گا وہ یقینی طور پر درست ہوگا۔ اَنۡزَلَهُ الْخُتُّ ط يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (۲۵) قرآن کو اس خدا نے نازل کیا ہے جو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کے اسرار و رموز سے واقف ہے۔ لہذا جو لوگ انفس و آفاق کی ان نشانوں پر غور و فکر کریں گے انہیں ان میں تجلیات خداوندی بے نقاب نظر آجائیں گی۔ جو قومیں ان آیات سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتی ہیں، یوں سمجھو کہ انہیں ”خدا“ کو اس طرح اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لینے پر یقین نہیں ہوتا۔ اَلَا اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ط (۲۱) حالانکہ

انہیں اس کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ جس شے کی بھی ریسرچ شروع کر دیں۔ میں خدا کا قانون ربوبیت جھل جھل کر نظر آجائے گا۔ اس لئے کہ اَلَا اِنَّهُۥ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ط (۳۱) خدا کا قانون ربوبیت ہر شے کو محیط ہے۔ وہ کسی ایک شے کے ساتھ محض نہیں۔

زفر قیام قدم ہر کجا کہ می نگہم ! کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

(۰)

صرف تسخیر فطرت ایمان نہیں | ہم نے شروع میں دیکھا ہے کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ کائنات میں

مؤمنین اور متفقین کے لئے ہر جگہ آیات اللہ ہیں۔ (۴۱) سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان اور تقویٰ کے معنی اشیائے کائنات پر غور و فکر اور تحقیق و تدقیق ہے۔ ہر جگہ تسخیر فطرت

کرتی ہیں وہ مومن اور متقی ہوتے ہیں مومن اور متقی وہ ہیں جو تسخیرِ فطرت کے بعد فطرت کی قوتوں کو قوانینِ خداوندی کے مطابق رنویعِ انسانی کی ربح و بیتِ عامہ کے لئے صرف کرتے ہیں اور اس طرح خود اپنی ذات کی نشوونما کا سامان بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ مومن ہونے کے لئے یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں یعنی تسخیرِ فطرت اور اتباعِ قوانینِ خداوندی۔

جو قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔ اگر کسی قوم میں ان دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط کی بھی کمی ہے تو وہ مومن و متقی نہیں کہلا سکتی۔ وَهَذَا لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ

اللہ صفا اولیٰکَ ہُمْ اَنکَا فِرَؤُنَہ (۱۱۱/۱) جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ جو قومیں تسخیرِ فطرت تو کر لیتی ہیں لیکن امورِ زندگی کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق نہیں کرتیں وہ بھی ان قوموں کی طرح تباہ و برباد ہو جاتی ہیں جو سرے سے تسخیرِ فطرت نہیں کرتیں یہی وہ قومیں ہیں جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ قَدْ اَعْتَنٰی عَنْهُمْ سَمْعُہُمْ وَلَا اَبْصَارُہُمْ وَلَا اَفْئِدَہُمْ شَیْءٌ اِذْ کَانُوْا یُجْحَدُوْنَ بِآیٰتِ اللّٰہِ..... (۲۶/۱) ان کے سمع و بصر و فؤاد ان کے کسی کام نہ آئے کیونکہ وہ قوانینِ خداوندی سے انکار کرتے تھے۔ وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے صورتِ حالات یوں ہوئی کہ

(۱) جو قومیں سمع و بصر و فؤاد سے کام لے کر تسخیرِ فطرت کرتی ہیں اور پھر فطرت کی قوتوں کی قوانینِ خداوندی (قرآن) کے مطابق صرف کرتی ہیں وہ مومن و متقی ہیں۔ ان کی اس دنیا کی زندگی بھی درحقیقت زندہ و تابناک ہوتی ہے اور آخرت کی زندگی بھی خوشگوار و شاداب۔

(۲) جو قومیں تسخیرِ فطرت تو کرتی ہیں لیکن قرآن کی مستقل اقدار کا اتباع نہیں کرتیں وہ صرف مقامِ آدمیت تک پہنچتی ہیں۔ مومن و متقی کے مقام تک نہیں پہنچتیں۔ وہ اس دنیا کی زندگی میں قوت و شوکت حاصل کر لیتی ہیں لیکن مستقبل (آخرت) ان کا تاریک ہوتا ہے۔

(۳) اور جو قومیں سرے سے تسخیرِ فطرت کرتی ہی نہیں، وہ مومن و متقی ہونا تو کجا، مقامِ آدمیت تک بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اُولٰٓئِکَ مَا وَاٰہُمُ النَّارُ (۱۱۱/۱) ان کے لئے اس دنیا میں دولت و خواری ہے اور آخرت میں بھی تباہی و بربادی۔ اس لئے کہ وَهَذَا کَانَ فِیْ ہٰذِہِ اَعْمٰی وَاَعْمٰی وَہُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی (۱۱۱/۱) جو یہاں کا اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہی ہو گا۔

وہ کل کے علم و عیش پر کچھ حق نہیں رکھتا جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامہ سندھ

جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

ہمیں بے حد افسوس ہے کہ یہ پرچہ لمعات کے بغیر شائع ہو رہا ہے۔
طلوعِ اسلام کی تاریخ میں شاید یہ پہلا حادثہ ہے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ
اسے برداشت کیجئے! شکریہ۔
(ناظم ادارہ)

اعتذار